بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمتِ حق بہانہ می جوید

مکرم ومحترم جناب عزیزمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ۔

کچھ دن قبل آپکا خط موصول ہوا تھا۔ میں کچھ مصروفیت کی وجہ سے آپکو فوری جواب نہ دے سکا۔ اسلئے معذرت خواہ ہوں۔ بہرحال آپکے خط کا شکریہ۔ آپ نے میری دونوں کتابوں کا بغور مطالعہ فرمایا ہے۔ اس کیلئے بھی آپکا شکریہ۔ آپ فرماتے ہیں: ’’آپکی دو (۲) عدد کتابیں۔ نیکی خدا ہے اور مصلح موعود۔ کسی دوست نے مجھے بھیجی ہیں۔ میں نے پوری دلچسپی سے مطالعہ کیا ہے آپکے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ کئی سوالات اُٹھتے ہیں۔ جن میں سب سے پہلا یہ ہے کہ جب بھی کوئی نئی آسمانی صداقت آتی ہے تو علوم توحید کو زندہ کرنا اور اُن میں جدید اضافے کا سبب بنتی ہے۔ اگر کوئی کتاب آپ نے اول وآخر، ظاہر وباطن کے متعلق لکھی ہو اور خالص اسلامی فلسفہ کے متعلق کوئی کتاب لکھی ہو‘‘۔

آپکے اس سوال کا جواب میری کتاب ’’نیکی خدا ہے‘‘ میں موجود ہے۔ اِبتدا میں یہ مقالہ میں نے میں اللہ تعالیٰ کی راہنمائی میں انگریزی میں لکھا تھا۔ بعدازاں احباب جماعت کی سہولت کیلئے خاکسار نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ مقالہ یا کتابچہ کچھ فلسفیانہ مزاج کا ہے۔ اسے سمجھنے کیلئے کچھ ذہن پر زور دینا پڑھتا ہے۔ آپ اس مضمون کو کس حد تک سمجھے ہیں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ دوبارہ اس کتابچے کو بغور وفکر پڑھیں۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی فلسفیانہ مضمون ایک دفعہ پڑھنے سے ہی سمجھ میں آجاوے۔ اس کتابچہ میں اول وآخر اور ظاہر وباطن کی تفصیل موجود ہے۔ ثانیاً اس الٰہی نظریہ کی بنیاد خالصتاً قرآن مجید پر ہے اور قرآنی فلسفہ ہی دراصل اسلامی فلسفہ ہے۔ آپکو معلوم ہوگا کہ ابنِ سینا کو ارسطوئے ثانی اور معلم ثانی کہا جاتا ہے۔ علامہ ابنِ ابی اُصیبعہ نے ’’عیون الانبار فی طبقات الاطّباء‘‘ (قاہرۃ ۱۸۸۳ء) میں انکے متعلق اس طرح نقل کیا ہے: ’’میں نے ارسطو کی کتاب مابعدالطبیعہ کو چالیس بار پڑھا، لیکن کچھ سمجھ نہ سکا، جس سے میں مایوس ہوگیا۔ اتفاق سے ایک دن ایک کتاب نیلام ہورہی تھی۔ ایک دلّال نے مجھے اسے خریدنے کو کہا۔ یہ حکیم فارابی کی کتاب تھی، جو مابعدالطبیعات پر تھی، اور جس کے مسائل حل کرنے سے میں قاصر تھا۔ اس خیال سے کہ یہ کتاب میرے کام کی نہیں ہے میں خریدنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن دلّال چونکہ بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ مالک کو پیسے کی ضرورت ہے، لہذا کتاب سستے داموں مل جائے گی۔ میں نے وہ مول لے لی، اور گھر پہنچتے ہی اسکے مطالعے میں مستغرق ہوگیا۔ چنانچہ تمام مابعدالطبیعیاتی مسائل کو، جو میری سمجھ میں نہیں آتے تھے، اب سمجھ گیا۔ اس سے مجھے بے حد مسرت ہوئی، اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر گیا، نیز میں نے مسکینوں کو خیرات بھی دی‘‘۔ (بحوالہ، سرگذشت فلسفہ حصہ دوم، مولف ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، صفحہ ۲۷۴)

محترم حیدر صاحب! یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ فلسفیانہ دقیق موضوعات کو پہلی دفعہ ہی پڑھ کر سمجھ لینا بہت مشکل ہے۔ اگر ابن سینا ایسے ذہین وفہیم انسان کا یہ حال تھا تو دوسرے لوگوں کے متعلق ہم یہ کیسے گمان کرسکتے ہیں کہ وہ کسی فلسفیانہ موضوع کو ایک دفعہ ہی پڑھ کر سمجھ جائیں گے۔ ابن سینا کے اس واقعہ سے ملتا جلتا واقعہ آغاز میں میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کئی بار بیان کرچکا ہوں کہ یونیورسٹی میں دوران مطالعہ سقراط کا مشہور قول ’’نیکی علم ہے‘‘ میرے مطالعہ میں آیا تھا۔ مختلف کتب میں اس سقراطی قول کی جو تشریح کی گئی تھی اس سے میرا دل ودماغ مطمعن نہیں ہوتا تھا۔ سقراط کے اس قول کی یہ تشریح کی گئی تھی کہ ’’نیک کام کرنے کیلئے نیک کام کا علم ہونا ضروری ہے‘‘ یعنی (Virtuous action depends upon its knowledge)۔ میں خیال کرتا تھا کہ اتنے بڑے فلسفی کے اس مشہور قول کا اتنا سادہ مطلب نہیں ہوسکتا۔ ضرور اس قول کا کوئی دوسرا اور گہرا مطلب ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ علم کی جستجو ’’شک‘‘ سے پیدا ہوتی ہے۔ پہلے میرے وجود میں شک پیدا ہوا یا پیدا کیا گیا۔ بعدازاں اس شک کو دور کرنے کیلئے ’’جستجو‘‘ کی خواہش پیدا ہوئی یا پیدا کی گئی۔ دوران مطالعہ میں نے امتحانی نقطہ نظر سے سقراط کے قول کی اسی تفسیر کو ذہن میں رکھا اور دل میں یہ فیصلہ کیا کہ جب کبھی موقع ملا تو اس سقراطی قول کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرونگا۔ ایم اے کرنے کے بعد ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ میں نے اس نظریہ پر غور وفکر کرنا شروع کردیا۔ یہ حالات کیا تھے اس کی تفصیل میری کتاب کے مقدمہ میں موجود ہے۔ دو ہفتے کے غور وفکر کے بعد مجھے احساس ہوگیا کہ سقراط کے اس قول کو عقل سے جاننا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ پھر ایک مبارک سجدہ کی توفیق ملی۔ میں نے اس مبارک سجدہ میں حصول علم سے متعلق حضرت مہدی ومسیح موعودؑ کی رَٹی ہوئی الہامی دعائیں پڑھنا شروع کردیں۔ سجدہ میں ہی مجھے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعائیں قبول فرمالی ہیں اور ’’نیکی‘‘ اور ’’علم‘‘ کے متعلق بہت سارا علم مجھے بخشا دیا گیا۔ اگلے دن مجھے الہاماً بتایا گیا کہ ’’Virtue is God‘‘ یعنی ’’نیکی خدا ہے‘‘۔ اب ایک تسلسل کیساتھ مجھے الہاماً ’’نیکی کی ماہیت‘‘ کا علم ملنا شروع ہوگیا اور یہ سارا علم فلسفیانہ تھا۔

یہ عاجز تو کبھی فلسفے کا طالبعلم نہیں رہا تھا اور نہ ہی مجھے یہ علم تھا کہ فلسفے کا Subject Matter یعنی موضوع کیا ہے؟ اب میرے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ میں فلسفہ کے مضمون سے آگاہی حاصل کروں۔ ایک دن میں فلسفے کی کوئی کتاب خریدنے کیلئے انارکلی گیا۔ فلسفہ کی کوئی نئی کتاب خریدنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ ناچار ایک ایسی دوکان پر گیا جہاں

پرانی (Second hand) کتب خریدی جاسکتی تھیں۔ دوکاندار نے ایک پرانی کتاب میرے سامنے رکھی جس کا عنوان تھا ’’A Critical History of Greek Philosophy‘‘ یعنی یونانی فلسفہ کی تنقیدی تاریخ۔ میں نے یہ پرانی کتاب خریدلی اور گھر آ کر اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے میں یہ کتاب پڑھتا گیا ویسے ویسے فلسفہ کی لاینحل اور پیچیدہ الجھنیں مجھ پر واہوتی گئیں۔ کتاب کے خاتمے پر میں نہ صرف یونانی فلسفہ سے واقف ہو چکا تھا بلکہ سقراطی قول ’’نیکی علم ہے‘‘ کی حقیقت بھی مجھ پر منکشف ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ سقراطی قول ’’نیکی علم ہے‘‘ ایک اخلاقی نظریہ نہیں بلکہ یہ نظریہ علم ہے۔ کیونکہ سقراط نے اشارۃً اس میں علم کی ماہیت کو نیکی سے تشبیہ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی مجھے الہاماً بتادیا تھا کہ ’’نیکی خدا ہے‘‘ اب جب تک کسی کو ذاتِ باری تعالیٰ کا کامل عرفان نہیں ہوسکتا تب تک اُسے علم کی ماہیت کا کیسے علم ہوسکتا ہے کیونکہ ’’خدا‘‘ اور ’’علم‘‘ دونوں ایک ہی ہستی کے دونام ہیں؟ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنی رحمت میں لپیٹنے کیلئے کوئی بہانا بنایا کرتا ہے۔ جیسا کہ ابن سینا کے معاملہ میں ہوا۔ ابن سینا نے ارسطو کی مابعد الطبیعات (Metaphysics) کو بار بار پڑھا لیکن اسے کچھ سمجھ نہ آئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بہانے کیساتھ فارابی کی کتاب ’’مابعدالطبیعات‘‘ ابن سینا تک پہنچادی جو اس کیلئے ارسطو کی کتاب ’’مابعدالطبیعات‘‘ کو سمجھنے کا ذریعہ بن گئی۔ میرا متذکرہ بالا واقعہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے جیسے علم وعرفان سے عاری انسان کے آگے پہلے بہانہ کے طور پر ’’نیکی علم ہے‘‘ کا نظریہ رکھا۔ ساتھ ہی ’’نیکی‘‘ اور ’’علم‘‘ کو جاننے کیلئے میرے اندر تڑپ بھی پیدا فرمادی۔ پھر ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ خاکسار اس سقراطی نظریہ پر غور وفکر کرے۔ غور وفکر کے بعد جب میں اس نظریہ کو سمجھ نہ سکا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں دعا کیلئے جوش پیدا کر دیا اور میں ’’نیکی علم ہے‘‘ کی حقیقت جاننے کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوگیا۔ اس سجدہ کے نتیجہ میں نہ صرف ’’نیکی علم ہے‘‘ کی حقیقت مجھ پر آشکار ہوئی بلکہ ایک عظیم الشان الٰہی نظریہ ’’نیکی خدا ہے‘‘ بھی مجھے الہام ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس الٰہی نظریہ کا مجھے علم دیا تو اس میں پیشگوئی مصلح موعود کی نشانیاں پوری فرمادیں۔ الحمدللہ

محترم حیدر صاحب! جب یہ کتابچہ دوبارہ پڑھیں تو الفاظ اور فقرات کے معانی پر نہ صرف غور کرنا بلکہ ان میں ڈوبنے کی کوشش کرنا۔ قاری جب اس کتابچے کو پڑھنا شروع کرتا ہے تو وہ آہستہ آہستہ اس مادی دنیا سے اوپر اُٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر بعد ازاں غیر مادی دنیاؤں سے گزر کر بالآخر عرفان باری تعالیٰ کے بحر بیکراں میں ڈوب جاتا ہے۔ یہاں اگر کوئی کمی رہتی ہے تو صرف یہی کہ انسان اس اعلیٰ وارفع ذات کو اپنی مادی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا۔ پھر آہستہ آہستہ نیچے کی طرف اپنی اس مادی دنیا کی طرف آتا ہے اور اُس پر اشیاء کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ اُسے پتہ چلتا ہے کہ یہ دنیا کیسے تخلیق ہوئی ہے اور ہمارے اعمال کیسے پیدا ہوئے ہیں؟ ہمیں اور ہمارے اعمال کو تخلیق کرنے والا کون ہے؟ دوسرے باب میں سقراط کے مشہور ومعروف نظریہ علم ’’نیکی علم ہے‘‘ کی وضاحت کی گئی ہے۔ آخری باب میں اس ساری منطقی بحث کا قرآن مجید سے اثبات کیا گیا ہے۔ اگر میں نے ’’نیکی کی ماہیت‘‘ کو اس خط میں سمجھانا شروع کر دیا تو یہ خط ایک کتابچہ بنتا چلا جائے گا۔

ثانیاً۔ یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر صدی کا مجدد ایک ہی رنگ میں اور ایک ہی طرح کی تجدید کرے۔ وجہ یہ کہ ہر صدی کا مجدد یا مصلح فسادِ زمانہ کے مناسب حال آتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مہدی و مسیح موعودؑ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

’’یہ بھی یاد رہے کہ ہر ایک زمانہ کیلئے اتمام حجت بھی مختلف رنگوں سے ہوا کرتا ہے اور مجدد وقت ان قوتوں اور ملکوں اور کمالات کیساتھ آتا ہے جو موجودہ مفاسد کا اصلاح پانا ان کمالات پر موقوف ہوتا ہے سو ہمیشہ خدا تعالیٰ اسی طرح کرتا رہے گا جب تک کہ اسکو منظور ہے کہ آثار رشد اور اصلاح کے دنیا میں باقی رہیں اور یہ باتیں بے ثبوت نہیں بلکہ نظائر متواترہ اسکے شاہد ہیں۔‘‘ (شہادت القرآن تصنیف ۱۹۹۳ء۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۴۲)

لیکن ایک بات ضروری ہے کہ ہر زمانہ کا مصلح توحید کے مضمون پر کسی نہ کسی رنگ میں ضرور روشنی ڈالتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دل پر جو کلام الٰہی نازل ہوا تھا وہ توحید کے مضمون سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن اس توحید کو سمجھنے کیلئے بھی جب تک اللہ تعالیٰ ہماری راہنمائی نہ فرمائے ہماری مجرد عقل اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے متعلق خود فرماتا ہے کہ یہ کتابِ مکنون ہے اور اسکے معانی اور گہرے اسرار پاک دلوں پر کھلتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس قرآن مجید کی کامل طور پر اسی وقت سمجھ آسکتی ہے جب یہ ہمارے دلوں پر اسی طرح نازل ہو جیسے کہ ہمارے آقا ومولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دل پر نازل ہوا تھا۔ لیکن وقت کیساتھ ساتھ فسادِ زمانہ کے موافق اللہ تعالیٰ اپنے مطاہر بندوں پر اپنے کلام کی حقیقت کا انکشاف فرماتا رہتا ہے۔

محترم حیدر صاحب! آپ فرماتے ہیں:۔ ’’حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ووفات کے متعلق، حضرت مسیح موعودؑ کے دلائل سے ہٹ کر کوئی اضافی اور جدید دلائل پر مبنی کوئی کتاب لکھی ہو تو برائے کرم بندہ ناچیز کو بھجوادیں۔‘‘

جہاں تک حضرت مسیح ابن مریم کی پیدائش اور وفات کا معاملہ ہے تو اس موضوع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خوب وضاحت فرمادی ہے۔ بہت سارے عیسائیوں کے دین اسلام میں داخل ہونے اور مسلمانوں کا آنحضور ﷺ کی بعض احادیث کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بدولت حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا معاملہ مسلمانوں پر مشتبہ ہوگیا تھا اور پھر ایک دراز عرصہ

تک مشتبہ رہا۔ تاوقتیکہ چودھویں صدی ہجری کا آغاز ہو گیا۔ اوائل صدی میں قریباً ۱۳۰۷ھ تک خود مجدد صدی حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ بھی حیات مسیح ابن مریم کے قائل تھے۔ پھر بعد ازاں مجدد صدی کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً حضرت مسیح ابن مریمؑ کی وفات کی خبر دیدی۔ تب حضرت مرزا صاحبؑ نے اپنی وحی کی روشنی میں از سر نو قرآن مجید کا مطالعہ کیا۔ آپؑ نے امت کو قرآن مجید سے ثابت کر کے دکھایا کہ حضرت مسیح ابن مریمؑ تو فوت ہو چکے ہیں اور امت میں نازل ہونیوالا مسیح موعود کوئی امتی فرد ہے جو کہ عیسوی رنگ میں رنگین ہو کر آئے گا۔ بعد ازاں الٰہی حکم کے مطابق آپؑ نے ۱۸۹۱ء میں اعلان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کے مطابق آنیوالا مسیح موعود میں ہی ہوں۔ اب قرآن مجید سے بڑھ کر حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور وفات کی تفصیل کون بتا سکتا ہے؟ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ پچھلی صدی میں قرآن مجید کی روشنی میں حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت کر کے بذاتِ خود مسیح موعود کے لقب سے ملقب ہو چکے ہیں۔

محترم حیدر صاحب! حیات و وفات مسیح ابن مریمؑ اور اجرائے نبوت وغیرہ چودھویں صدی کے موضوعات تھے اور چودھویں صدی کا مجدد ان موضوعات پر اپنی کتب میں کافی تفصیلی روشنی ڈال گیا ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کے موضوعات کچھ اور ہیں۔ مثلاً۔ کیا ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی الہامی پیشگوئی کے مطابق آنیوالا زکی غلام یا مصلح موعود ظاہر ہو چکا ہے یا کہ نہیں؟ اگر وہ ظاہر نہیں ہوا تو پھر خلیفہ ثانی کے دعویٰ مصلح موعود کی حقیقت کیا ہے؟ اگر خلیفہ ثانی کا دعویٰ مصلح موعود غلط تھا تو پھر اس وقت جماعت احمدیہ کی کیا صورت حال ہے؟ کیا اب جماعت احمدیہ حضرت مہدی و مسیح موعودؑ کے بعد ظاہر ہونے والے زکی غلام مسیح الزماں جو کہ یقیناً پندرھویں صدی کا مصلح اور مجدد موعود ہے کو قبول کرے گی یا کہ نہیں؟ اب اگر جماعت احمدیہ اس موعود زکی غلام کو قبول نہیں کرتی تو جماعت کی اس گمراہی کا کون ذمہ دار ہے؟ اس وقت جماعت احمدیہ میں جاری نظام کی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ نظام قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ہے یا کہ اسکی عین ضد؟ اگر اس وقت نظام احمدیہ قرآنی تعلیم کی ضد ہے تو پھر خلیفہ ثانی کو ایسا غیر قرآنی نظام جاری کرنے کا اختیار کس نے دیا؟ دراصل جماعت کا موجودہ نظام ہمیں یہ پیغام دے رہا ہے کہ خلیفہ ثانی کو اپنے دعویٰ مصلح موعود کی سچائی پر بھروسہ نہیں تھا۔ اگر انہیں اپنے دعویٰ کی سچائی پر یقین ہوتا تو انہیں افرادِ جماعت سے اپنا دعویٰ منوانے، اسے پختہ کرنے اور دوام دینے کیلئے کسی جبری نظام کی کیا ضرورت تھی؟ کیا حضرت مہدی و مسیح موعودؑ نے بھی افراد جماعت پر ایسا جبری نظام لاگو کیا تھا؟ اگر نہیں تو اسکی وجہ یہ تھی کہ حضورؑ کو اپنے دعاوی پر کامل یقین تھا کہ وہی آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق مہدی و مسیح موعود ہیں۔ اب آپکے بعد کسی مہدی اور مسیح نے نہیں آنا۔ لیکن خلیفہ ثانی نے اپنے دعویٰ کی سچائی کیلئے قسمیں ضرور کھائی ہیں لیکن اسکے باوجود انہیں اپنے دعویٰ پر بھروسہ نہیں تھا۔ انہیں یقین تھا کہ آئندہ زمانے میں کوئی بطور غلام مسیح الزماں ضرور آئے گا اور اُس کی راہ روکنے کیلئے خلیفہ ثانی کو ایک جبری نظام کی ضرورت پڑی۔ اس وقت جماعت احمدیہ میں جاری خلافت کیا راشدہ ہے یا کہ خاندانی ملوکیت اور بادشاہت؟ کیا خلفائے احمدیت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ افراد جماعت سے آزادیٔ ضمیر کا حق سلب کر لیں حالانکہ ایسا حق اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو بھی نہیں دیا تھا؟

محترم حیدر صاحب! موجودہ پندرھویں صدی کے یہی موضوعات ہیں اور ان سوالات کے جوابات آپ میری ویب سائٹ www.alghulam.com پر پڑھ سکتے ہیں۔ اگر انکے علاوہ آپکے پاس کوئی سوال ہو تو وہ مجھے لکھیں۔ خاکسار اِنشاء اللہ تعالیٰ اسکا آپکو ضرور جواب دے گا۔ یہ درست ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر انسان کے لیے ہدایت پانا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ اور ہر دور میں اسی طرح آتی ہے کہ وہ اپنے کسی برگزیدہ بندے کو یا جسے وہ برگزیدہ کرنا چاہے کے ذریعہ ہدایت اور گمراہی اور سچ اور جھوٹ میں فرق کر کے دکھلا دیتا ہے۔ اور پھر اپنے بندوں پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ جس راستہ کو چاہیں اختیار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں جبر نہیں کرتا اور آج تک کی مذہبی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بندگانِ خدا کی اکثریت نے ہمیشہ ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو اختیار کیا۔ اس وقت میں اس بحث کو چھوڑتا ہوں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ دراصل ہدایت اور سچائی بہت تلخ ہوتی ہے۔ لہذا لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملہ میں آپکی راہنمائی فرمائے۔ اپنے لیے بھی دعا کرنا اور مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ حضرت مہدی و مسیح موعودؑ نے اپنے ملفوظات میں ایک بہت ہی خوبصورت نصیحت فرمائی ہے۔ آپکے افادہ کیلئے یہاں درج کرتا ہوں۔ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

''اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان کسی بات کو خالی الذہن ہو کر نہیں سوچتا اور تمام پہلوؤں پر توجہ نہیں کرتا اور غور سے نہیں سنتا۔ اس وقت تک پرانے خیلات نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لیے جب آدمی کسی نئی بات کو سُنے تو اُسے یہ نہیں چاہیے کہ سُنتے ہی اُسکی مخالفت کیلئے تیار ہو جاوے بلکہ اس کا فرض ہے کہ اُس کے سارے پہلوؤں پر پورا فکر کرے اور انصاف اور دیانت اور سب سے بڑھ کر خدا تعالےٰ کے خوف کو مدنظر رکھ کر تنہائی میں اس پر سوچے۔'' (ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۱ تا ۲)

والسلام ۔خاکسار

عبدالغفار جنبہ

۱۵۔ اپریل ۲۰۰۷ء